نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

(ذاتی تاثرات)

آہ! متاع گراں مایہ والدہ محترمہؒ کی جدائی

زندگانی تھی تری، مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
تجھ کو مثلِ طفلکِ بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے ناآشنا صبح و مسا روتا ہے وہ
خاکِ مرقد پر تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو مَیں یاد آؤں گا؟ (اقبالؒ)

راقم آج تک اپنے بزرگوں، دوستوں، عزیزوں اور نامور لوگوں کی وفات و بچھڑنے پر انہی صفحات میں اظہارِ غم و نوحہ خوانی کرتا رہا، اور شاہراہِ حیات پر چلتے ہوئے رہینِ ستم ہائے روزگار بھی رہا، اور اسی طرح زمانے کے ہر طرح کے حادثات بھی سہتا رہا، لیکن کبھی قلم، انگلیوں اور طبیعت پر لکھتے یا سوچتے ہوئے ایسی گرانی اور شوریدگی نہیں گزری جیسی کہ اس موقع پر ہے۔ ع انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

اکثر ایک ہی نشست میں کئی موضوعات پر اداریہ لکھ لیا لیکن آج والدہ ماجدہ مرحومہ کے جدا ہوئے ایک ماہ ہونے کو ہے اور میں پہلے دن کی طرح سراپا سوز و الم ہوں نہ جانے والدہ ماجدہ مرحومہ کے بارے میں تعزیتی شذرہ لکھنا کیوں کوہِ گراں اٹھانے سے زیادہ مشکل نظر آ رہا ہے۔ ہر چند دل و دماغ کی ویران بستیوں میں، مَیں نے صدائیں دیں لیکن وہاں بھی موت کے سناٹے کے سوا کچھ سنائی نہیں دیا اور یوں لگا کہ وہاں ان دِنوں شامِ کربلا کا منظر ہے۔ کئی بار لکھنے کیلئے عزم صمیم کیا لیکن قلم اور آنکھ دونوں آنسو اور جوئے خوں بہاتے رہے اور کچھ لکھنا محال ہو گیا۔ بقول غالب

ے دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

اور ایسے میں اپنا شکستہ و خستہ قلم لکھے بھی تو کیسے؟ کیونکہ اب اس کے پیچھے میری والدہ ماجدہ مرحومہ کی شبانہ روز پُراثر دعائیں بھی نہ رہیں۔ ے تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں؟

اور ع آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

ماں جیسی عظیم مشفق شخصیت کا سوانحی احاطہ، تذکرہ، آثار و مناقب اور ذکرِ خیر میرے جیسے درماندہ و غمزدہ کے بس کی بات نہیں، یہ چند صفحات بھی بڑی مشکل سے لکھے ہیں، حزن و غم میں ڈوبے ہوئے قلم کی یہ ایک شکستہ تحریر ہے جس میں قطعی طور پر کچھ فنکاری و ریاکاری شامل نہیں اور ٹوٹے ہوئے دل کے چند دردانگیز نالے، پراگندہ خیالات، دھندلی

یادیں، شفقتیں، چند آہیں اور کچھ زخمی جگر کے ٹکڑے ہیں اور یہ متاع دیدۂ تر کا نذرانہ ہے جنہیں بطور یادگار سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ ع من قاش فروشِ دل صد پارہ خویشم

پھر بھر رہا ہوں خامہ مژگاں بخون دل ساز چمن طرازی داماں کئے ہوئے

دنیا میں والدہ جیسی نعمت کا کوئی نعم البدل نہیں۔ کہتے ہیں کہ بے لوث محبت آپ کو صرف ماں کی ذات سے ملے گی جس میں کوئی دنیاوی لالچ اور ظاہری ملاوٹ نہیں ہوتی۔ ماں ایک ٹھنڈی چھاؤں ہے جس کے سائے تلے انسان ہر قسم کی سختیوں کی دھوپ اور حوادث کے طوفانوں سے محفوظ رہتا ہے۔ ممتا کی مقدس آغوش میں جو بات ہے وہ فردوسی شبستانوں میں بھی نہیں ہے۔ خدا کی صفت رحمٰن اور رحیم کی خوبصورت تفسیر اور پرتو ماں کی مشفق شخصیت میں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔ ماں کی عظمت و بلندی کے مقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رفعتوں اور نعمتوں کی انتہاء یعنی جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ حدیث شریف ہے کہ ”الجنة تحت اقدام الامهات “سبحان اللہ ہے کوئی دوسرا ایسا رشتہ؟ جو ماں کے رشتے کی ہمسری کا دعویٰ کرے؟ علامہ اقبالؒ نے عورت کے وجود کو اس کائنات کی تصویر کا سب سے خوبصورت رنگ اور جُزقرار دیا ہے کہ ع وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

دنیا کی تمام چکاچوند اور جہان ہست و بود کی رونقیں عورت ذات کی بدولت ہیں۔ یہاں اگرچہ علامہ اقبال کے شاعرانہ تخیل کے مطابق عورت سے مراد محبوب مجازی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کا حقیقی مفہوم محبوب مجازی نہیں بلکہ ماں کی ذات ہے جو عورت کا سب سے خوبصورت، دائمی اور انمٹ رنگ ہے، ایسا رنگ جو کبھی پھیکا نہیں ہوتا، ایسا نور جو ہمیشہ بڑھتا چلا جاتا ہے، ایسی رونق جو تمام محفلوں پر حاوی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف ماں کے جوتوں پر ہزار محبوب مجازی وارے جاسکتے ہیں اور دنیا جہان کی سلطنتیں صرف اس کی ایک جھلک پر نثار کی جاسکتی ہیں اور اس کی ایک دعا کے بدلے میں بگڑی ہوئی عاقبتیں سنور سکتی ہیں۔ ماں قبلہ و کعبہ ہے ہر گھر کیلئے اور ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ماں کو شفقت کی صرف ایک نگاہ سے دیکھنا زیادہ بہتر ہے۔ ماں کی بدولت ہی انسانی زندگی میں بہار اور ہر گھر میں رونق ہوتی ہے۔ اسلام اور خصوصاً مشرقی معاشرے کی مرکزی اکائی ماں کی ذات ہے۔ جس کے اردگرد تمام رشتے اور خاندان کے افراد مجتمع ہوتے ہیں۔ جن گھروں میں ماں جیسی نعمت موجود نہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان سے بڑا مفلس کوئی نہیں اور ہائے افسوس کہ مفلسی کا یہ پیوند اب اپنی قبائے چاک میں بھی لگ چکا ہے۔ اور ایک ایسا دائمی درد سینے میں آپ کی جدائی سے پیدا ہوگیا ہے جس کی کسک اور خلش عمر بھر رہے گی۔ ہمارے گھر سے بھی شفقت و محبت کا چاند ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا جس کی دھیمی اور ٹھنڈی روشنی میں زندگی کی منزلیں آسانی وسکون سے کٹ رہی تھیں۔ جانے کس کی نظر اس چاند کو کھا گئی اور گھر کے آنگن میں شفقتوں اور محبتوں کا جو دریا بہہ رہا تھا نہ معلوم کیوں دستِ اجل نے اسے خاموش کردیا اور گھر کو ویران کدہ بنادیا۔ ؎ تم ماہ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

ہماری والدہ بظاہر ایک سادہ سی خاتون خانہ تھیں جو حقیقت میں اس ریا کار دنیا کے زیر و بم اور مکر و فریب سے کوسوں دور تھیں، لیکن ان کی اس سادگی پر ہوشیاری اور عقل و خرد کے ہفت اقلیم وارے جاسکتے تھے۔ آپ ایک ایسی ہستی تھیں جو حیاء کی مجسم مورتی، صبر و رضا کا پیکر، اور اس گئے گزرے دور میں مومنہ کاملہ کی زندہ جاوید تصویر تھیں۔ آپ باپردہ، سچی مشرقی مسلم خاتون تھیں جس کی حیاء و عفت کے قصے فرشتوں کے لئے بھی قابل رشک تھے۔ ممتا اور رشتہ مادریت کے جتنے تقاضے اور طور طریقے فطرت نے انہیں بخشے تھے ان سے بڑھ کر آپ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی اور شفقتوں اور محبتوں کی ایسی داستان رقم کر گئیں کہ اس سے ماں کی عظمت و کردار کو آپ نے ایک نیا رنگ و روپ دیا اور آپ ایک مثالی و منفرد ماں بن گئیں۔

آپ غالباً ۱۹۴۳ء میں پشاور میں پیدا ہوئیں۔ وہیں پرورش اور کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کی، آپ کا خاندان پشاور کا ممتاز، معروف متموّل اور بااثر خاندان ہے۔ یہاں مَیں مختصراً اپنے نانا جان اور ان کے خاندان کے بارے میں بھی تھوڑی بہت معلومات لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ہمارے نانا میاں حاجی کرم الٰہیؒ پشاور اور صوبہ سرحد کے ایک بڑے کاروباری سلسلے کے نگران اور مالک تھے۔ لیکن آپ پر تصوف اور روحانیت کا ایسا نشہ چڑھا تھا کہ دولت و ثروت کا جادو اور جاہ و حشمت کا خمار آپ سے منزلوں دور تھا، آپ کے کاروبار کی وسعت تقسیم ہند سے قبل بھی سمرقند اور بخارا اور بعد میں دہلی، بمبئی، سری لنکا اور افریقی ملک کینیا تک پھیلا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود آپ ہر وقت علماء، مشائخ اور بزرگان دین کی خدمت میں حاضر رہتے اور اپنے وقت کے ان مشائخ اور علماء سے آپ کا گہرا تعلق تھا اور پشاور میں آپ کے گھر اور دفتر میں علماء و مشائخ کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا۔ آپ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ کے مرید بھی تھے اور مشہور روحانی و انقلابی رہنما حاجی صاحب ترنگزئیؒ کے بھی عقیدت مند اور مددگار تھے اس کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ اور شکر درہ باباجی صاحبؒ (شبقدر) کے ساتھ بھی آپ کی گہری عقیدت اور دوستانہ مراسم تھے، لیکن خصوصیت کے ساتھ ہمارے دادا جان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے ساتھ آپ کا ایسا قلبی تعلق اور لگاؤ پیدا ہو چکا تھا کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے اپنی لختِ جگر بیٹی کو اپنے شیخ، اپنے مرشد حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے گھر کی خدمت کے لئے ان کے بڑے صاحبزادے کے رشتہ میں دے دیا اور پشاور جیسے بڑے پُررونق شہر سے آپ کو اکوڑہ خٹک جیسے دور افتادہ گاؤں میں بیاہ دیا جو کہ آپ کی ایک بڑی قربانی تھی۔ (یہ شادی ۱۹۶۰ء میں ہوئی) اس کے علاوہ آپ نے دارالعلوم حقانیہ کی تعمیر و بناء میں بھی دل کھول کر عطیات دیئے اور کئی درسگاہیں وغیرہ بھی بنوائیں۔ اسی طرح آپ کا یہ طریقہ تھا کہ تمام اساتذہ اور علماء کے لئے مختلف موقعوں پر نئے کپڑے، چغے اور دستاریں آپ کی طرف سے ہدیہ ہوا کرتی تھیں۔ رمضان میں پشاور کے

مختلف محلوں میں مساکین اور مسافروں کے لئے شربت کی سبیلیں اور دیگر لوازمات کا اہتمام بھی کراتے تھے اس کے علاوہ سینکڑوں مساکین اور بیواؤں کو ماہانہ وظیفے بھی خفیہ طور پر مقرر کئے تھے۔(اور الحمدللہ اب آپ کے پوتے جناب الحاج فقیر حسین، ممتاز حسین، آفتاب اقبال اور اعجاز حسین اپنے دادا کے سلسلہ کاروبار اور خیر و فلاح کے کاموں میں سب سے آگے ہیں) حاجی صاحبؒ کی دین و مذہب سے گہری وابستگی کی بناء پر آپ کے گھر میں بھی مذہبی رنگ زیادہ تھا۔ اس وقت آپ نے اپنی بیٹیوں کو سکول و کالج اور عصری تعلیم سے دور رکھا اور ایک خاص مذہبی ماحول میں اپنی بچیوں کی تعلیم و تربیت کی۔ ابھی ہماری والدہ مرحومہ چھ سات برس کی تھیں کہ ان کے سر سے والدہ کا سایہء رحمت بھی اٹھ گیا۔ والدہ جیسی نعمتِ کبریٰ سے بچپن ہی میں محروم ہو جانے کا دکھ آپ آخر تک محسوس کرتی رہیں۔ پھر بعد میں آپ کے والد ماجدؒ بھی اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اس غم نے بھی آپ کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ چونکہ آپ ایک خاص علمی اور مذہبی گھرانے کی بہو بننے والی تھیں اس لئے خدا نے آپ کو شہری خواتین کے سے ناز نخرے بھی نہیں دیئے تھے، اور وہ آسانی سے ہمارے انتہائی مذہبی گھرانے میں گھل مل گئیں اور آپ کو کچھ دقت نہ ہوئی۔ آپ فطرتاً ایک خداترس، نیک، صالحہ، عابدہ، زاہدہ، مومنہ قانتہ، اعلیٰ صفات کی حامل، پاکیزہ کردار کی مالک اور عاجز طبع خاتون تھیں۔ آپ کی سب سے بڑی صفت جس کا ایک عالم گواہ ہے وہ آپ کی سخاوت ہے۔ ہم نے بچپن میں حاتم طائی کی سخاوت کے قصے کہانیوں میں پڑھے تھے لیکن جب ہوش سنبھالا تو حاتم طائی کی سخاوت ہماری والدہ مرحومہ کی سخاوت کے مقابلے میں بہت کم نظر آئی۔ محلے اور گاؤں کے نادار لوگوں کی مدد اور خصوصاً خواتین کے لئے کپڑے، روٹی سالن اور نقد عطیات وغیرہ دینا آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ کسی کو بھی اپنے گھر اور دہلیز سے خالی ہاتھ جانے نہیں دیتیں اکثر مفلوک الحال لوگوں کی حالتِ زار پر روتی رہتیں اور کوشش کرتیں کہ کوئی بھی قرب و جوار اور محلے میں دُکھی اور بھوک و غربت کے عذاب سے دوچار نہ ہو۔ اسی طرح گاؤں میں اگر کوئی مرجاتا یا بیمار ہو جاتا تو بھی آپ حزن و یاس میں ڈوب جاتیں اور عالم اسلام اور خصوصاً کشمیری، فلسطینی اور طالبان کی شہادتوں کی خبروں پر تو آپ کا کلیجہ کٹ جاتا۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر　　سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس کے ساتھ آپ میں ایسی عاجزی اور انکساری تھی کہ میں نے زندگی میں کسی بھی خاتون کو اس قدر عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ باوجود آپ ایک رئیس ترین اور بڑے باپ کی بیٹی اور نامور خاندان کی چشم و چراغ تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سسر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ کی بہو اور ایک عظیم شوہر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی زوجہ تھیں، دونوں طرف عزت و شہرت اور زندگی کی ہر قسم کی سہولیات کی فراوانی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ میں اس قدر عاجزی تھی کہ آپ سے صرف ایک بار بھی جو ملا تو وہ آپکی پُراثر، نرم خو، مشفق شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ ہماری والدہ مرحومہ اکثر ہمارے ساتھ کھانے پہ اس بناء پر شریک نہ ہوتیں کہ گھر کی

نوکرانیاں کیوں اکیلے کھانا کھائیں گی؟ اور بعد میں انہی کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ جاتیں۔ آپ کا کھانا بھی قوت لایموت کے مصداق ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح ہمارے گھر میں ایک خدمت گار خاتون جو والدہ مرحومہ سے عمر میں کچھ بڑی تھیں، اور ہمارے ہاں برسوں مقیم رہیں لیکن ہماری والدہ مرحومہ ہی ان کیلئے خود اپنے ہاتھوں سے چارپائی اٹھا کے لاتیں اور لے جاتیں بلکہ الٹا سارا دن ان کی خدمت میں مصروف رہتیں۔ اسی طرح آپ ہمیشہ خدمت گاروں کیساتھ مل کر ان سے زیادہ کام کاج میں ہاتھ بٹاتیں۔ میں اگر چہ ان کی بڑھتی ہوئی عمر اور بیماری کے باعث انہیں کام کاج سے منع کرتا لیکن ان کا ہمیشہ یہی جواب ہوتا کہ مساوات اچھی چیز ہے اور آخر خادم بھی تو انسان ہوتے ہیں۔ ان واقعات سے آپ کی مشفق شخصیت کا ایک بڑا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہلو صلہ رحمی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ صدی میں اس قسم کے بڑے کردار کی حامل خواتین اور مثالی مائیں بہت ہی کم دیکھنے کو ملیں گی۔ ع اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لیکر

ہماری والدہ مرحومہ کو قدرت نے قناعت کی دولت بھی بڑی فراوانی کے ساتھ بخشی تھی، آپ کی نگاہ میں دنیا بھر کی دولتیں اور جاگیریں ہیچ تھیں۔ اکثر عورتوں میں دکھاوا، حرص، لالچ، کینہ پروری، اکھڑپن، حسد، نمائش اور مقابلے کی عادات ہوتی ہیں لیکن الحمدللہ میں یہ دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری والدہ مرحومہ کی کتابِ زندگی میں یہ الفاظ نہ صرف اجنبی بلکہ ناپید تھے۔ کبھی کسی بھی موقع پر آپ نے اوروں سے مقابلے یا دکھاوے کے لئے ہمارے والد صاحب مدظلہ یا ہم سے کوئی فرمائش نہیں کی جو کہ ایک بڑی بات ہے۔ زندگی میں کبھی بھی ہم سے روپے وغیرہ طلب نہیں کئے۔ حالانکہ ہم دونوں بھائی ہر وقت آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے۔ لیکن آپ ہمیشہ یہ رقم لوٹا دیتیں کہ میرے شوہر الحمدللہ زندہ ہیں اور مجھے کوئی ضرورت نہیں اور ڈھیروں دعاؤں سے ہمارا دامن بھر دیتیں۔ حالانکہ اکثر مائیں بچوں سے لڑتی ہیں کہ تم ماں کا خیال نہیں کرتے اور اگر ہم بہن بھائی امی کو اپنے ساتھ کہیں لے جاتے یا کھلانے پلانے پر اصرار کرتے تو آپ حیاء سے سرخ ہو جاتیں اور ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے آپ ایک مہمان ہیں اور ہم مہمان کو زبردستی کھلا رہے ہیں، صرف ایک دو نوالے مروّت میں لے لیتں اور پھر وہی درجنوں دعائیں۔ آپ نے زندگی ایسے سلیقے اور قرینے سے گزاری کہ وہ ہمارے خاندان اور گاؤں کے لئے ایک روشن مثال بن گئیں۔ گھرداری، خانگی امور، بچوں کی تربیت، شوہر کی بے مثل و بے نظیر خدمت، گھریلو تقریبات کے لئے تیاری اور مہمانوں کے لئے انتظام و انصرام آپ ہی کے ذمے ہوتا۔ مہمان نوازی اور خاطر مدارات میں بھی آپ کا ثانی نہیں تھا۔ ہمارا گھرانہ چونکہ مذہبی ہونے کے علاوہ سیاسی گھرانہ بھی ہے اسی باعث ہر وقت مہمانوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے، حضرت دادا جانؒ کے زمانے سے ہمارے آبائی گھر میں ہر وقت اکابرینِ امت، سیاسی زعماء کی آمد آمد رہتی۔ گھر کی بڑی بہو ہونے کے ناطے تمام انتظامات ہماری دادی جانؒ کی خواہش کے مطابق آپ ہی کرتیں۔ اور پھر ہمارے دادا جانؒ کی بھی یہی خواہش ہوتی کہ چونکہ آپ پشاور کی رہنے والی ہیں اور مہمانوں کی آؤ بھگت اور مختلف کھانوں کے پکانے میں مہارت رکھتی ہیں اسی لئے وہ بھی آپ

ہی سے کام سنبھالنے کیلئے کہتے اور الحمدللہ ہماری والدہ مرحومہ نے اس بڑے گھر اور اس عظیم سسر کی زندگی بھر ایسی خدمت کی کہ سب نے اس پر آفرین کہا۔ بہت سے قارئین کو شاید اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی ادوار میں اساتذہ اور طلبہ کرام کے ۔ ... ڈی اور سالن ہمارے گھر میں ہی تیار ہوتا اور درجنوں افراد کے لئے روٹی تنور پر بنانا اور وہ بھی لکڑی اور دھوئیں کی آگ پر اور اس کے ساتھ بڑے بڑے دیگچے بھی تیار کرانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ لیکن الحمدللہ یہ خدمت بھی ہماری والدہ محترمہؒ نے برسوں ہنسی خوشی بلکہ سعادت سمجھ کر کی۔ اور ہماری دادی جان مرحومہ کے ساتھ گھر کی ساری ذمہ داریوں میں بھی ہاتھ بٹاتی رہتیں۔ دارالعلوم حقانیہ کے اس ہنستے بستے' کھلتے کھلاتے وسیع وعریض گلشن میں ہماری والدہ مرحومہ کی خدمات بھی پس پردہ شامل ہیں اور یقیناً اس صدقہ جاریہ سے آپ کا دامن بھی تا ابد مہکتا رہے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری والدہ مرحومہ نے تمام عمر زندگی کے ہر گرم وسخت موڑ پر ہمارے والد صاحب مدظلہ کا بھرپور ساتھ دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ہمیشہ ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو اس بات کو بھی ہماری والدہ مرحومہ نے سچ کر کے دکھایا۔ جب تک صحت اور حالات نے ساتھ دیا تو والد صاحب مدظلہ اور ان کے مہمانوں کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ والد صاحب مدظلہ کی زندگی کا اکثر حصہ اندرون ملک و بیرون ملک اسفار اور گوناگوں سیاسی مصروفیات اور دوروں میں گزرا۔ اسی طرح قید و بند کی منزلوں سے بھی آپ گزرے لیکن آپ نے ہر موڑ اور ہر سخت موقع پر آہنی چٹان اور ایک وفا شعار بیوی کی طرح اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ اور کبھی ان کی دینی و سیاسی مصروفیات اور طوفانی دوروں کی کثرت کی شکایت نہیں کی اور نہ ہی ان سے بیزاری ظاہر کی حالانکہ اکثر بیویاں شوہروں کی مصروفیات اور اسفار پر ناراض ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری والدہ مرحومہ کا خمیر صبر ورضا اور قربانی وایثار سے اٹھا تھا' اس لئے آخر تک آپ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ جب زندگی کے آخری ایام میں مرض کی شدت کے باعث آپ کسی کو بھی نہیں پہچان سکتی تھیں اور کھانا پینا اور دوائی لینا بھی چھوڑ دیا تھا' تو ہماری والدہ مرحومہ کی خصوصی خادمہ (گلاب بی بی جنہوں نے بیماری کے دوران ان کی لازوال خدمت کی۔ اس طرح ہماری بڑی بہن باجی نفیسہ شفیق نے بھی اپنی ماں کی مثالی خدمت کی) وہ چپکے سے کان میں کہتیں کہ راشد کے ابو یہ چیز لائے ہیں اور یہ آپ کو ضرور کھانی ہے ورنہ وہ ناراض ہوجائیں گے اور آپ ان کے نام کی وجہ سے وہ چیز اور دوائی کھالیتیں۔ یہ معمول مرتے دم تک ان کا رہا۔ بقول ذکی کیفی مرحوم کہ ؎ ہم تیرے نام پر جینے والے تجھ پر مرنے کے سوا کیا کرتے

اسی طرح ان کا ایک اور بڑا وصف اللہ تعالیٰ کا ہر وقت شکر ادا کرنے کا ہے۔ میں نے ان جیسی صابرہ اور شاکرہ خاتون کبھی نہیں دیکھی' خوشی اور غم دونوں موقعوں پر صابرو شاکر رہتیں اور جب گزشتہ چودہ پندرہ ماہ سے آپ شدید بیمار ہونا شروع ہوئیں' حتیٰ کہ آپ نے آخری چند ماہ اتنی تکلیف اور کمزوری میں گزارے کہ اسکا تصور بھی محال ہے لیکن جب بھی کوئی پوچھتا کہ طبیعت کیسی ہے تو آپ جواب میں کہتیں کہ الحمدللہ میں اللہ سے راضی ہوں۔ بہت بہت شکر ہے۔ آخر دم تک

ہر بات آپ مرض نسیان کے باعث بھول گئی تھیں لیکن کلمہ شکر آپ کی زبان سے نہیں اترا اور اسی طرح لفظِ اللہ کا ورد بھی آخر تک جاری رہا۔ ۔ آپ ہی کے نام سے پائی ہے ہم نے زندگی ، ختم ہوگا اب یہ قصہ آپ ہی کے نام پر

عبادات، صدقات اور نمازوں کا اہتمام آپ کی زندگی کا اصل نصب العین تھا۔ زندگی بھر اول اوقات میں نماز پڑھنے کی آپ کی عادت تھی۔ تمام کام اور گھریلو امور بعد میں، پہلے نماز یہ آپ کا پکا اصول تھا۔ آپ علی الصبح جاگا کرتی تھیں، اور نماز و وظائف میں تادیر ڈوبی رہتیں۔ سارا گھر صبح کے وقت آپ کے مترنم وظائف اور اوراد سے منور ہوتا اور پھر رمضان میں تو تہجد اور دعاؤں سے آپ کو ایسا شغف ہو جاتا کہ آپ مصلّے ہی کی ہو جاتیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری والدہ محترمہ نے ہمیں اتنا دعاؤں میں یاد کیا ہے اور اتنا رو رو کر ہماری دینی اور دنیاوی امور میں اللہ سے کامیابی و رہنمائی مانگی ہے کہ انشاء اللہ تادیر ان کا اثر و سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے گا اور اگر بظاہر دیکھا جائے تو برادرم مولانا حامد الحق حقانی کی کم عمری میں قومی اسمبلی کی ممبری اور سیاسی و سماجی میدان میں کامیابی اور مجھ جیسے ناکارہ کے کندھوں پر "الحق" جیسی وقیع مجلہ کی ادارت اور کوچہ صحافت و ادب میں ورود اور قلم و قرطاس سے وابستگی انہی کی دعاؤں کا صدقہ ہے ورنہ من آنم کہ من دانم

حرمین شریفین کی زیارت بھی الحمدللہ آپ نے دو مرتبہ کی، پہلی مرتبہ 1987ء میں عمرہ کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی تو محرم اور خادم کے طور پر قرعہ فال اس گنہگار و سیاہ کار کے حصہ میں نکلا اور ایک یادگار مبارک سفر آپ کی معیت میں مجھے حاصل ہوا۔ قلم اور دل اس یادگار سفر کے بیان سے عاجز ہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ جنت کے سائے میں جنتوں کے نظارے کئے اور خدمت کی وہ متاع گراں سفر میں حاصل ہوئی جس سے کائنات کے تمام خزانے محروم ہیں۔ پھر 1993ء میں آپ نے حج کی سعادت حاصل کی اور برادرم مولانا حامد الحق حقانی نے آپ کی خدمت کی سعادتیں حاصل کیں۔ اس کے بعد بھی آپ کی حرمین کیلئے تشنگی بڑھتی گئی اور خصوصاً مدینہ منورہ اور حضور پاک ﷺ کے ساتھ آپ کی عقیدت اور محبت ایسی ہوگئی تھی کہ آپ صبح شام اور ہر لحہ اسی کے ذکر خیر سے زندہ رہنے لگیں۔ پھر آخری ایام اور مہینوں میں تو اس کثرت سے مدینہ طیبہ اور گنبد خضرا کے مکینوں کو یاد کر کے روتیں کہ آپ پر وجد و کیف کا سماں طاری ہو جاتا۔ آپ کی بھی یہ آخری خواہش اور میری بھی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ ایک بار پھر اپنی عاشق رسول ﷺ والدہ مرحومہ کو حرمین شریفین اور خصوصاً مدینہ طیبہ لے جاسکوں اور آپ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر طواف کعبہ کروں، لیکن آپ کی صحت کی خرابی اور میری کم نصیبی نے میری اور امی جان کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی۔ ۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے بہت نکلے میرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

تعلیم کے شعبے میں بھی ہماری والدہ نے ہماری بھرپور رہنمائی اور خدمت کی۔ والد صاحب اکثر مصروفیات سفار کے باعث گھر سے باہر ہوتے لیکن والدہ مرحومہ نے ہماری پڑھائی پر بھرپور توجہ دی۔ میری تعلیم کے تقریباً چار

مرحلے گزرے ہیں ایک ابتدائی زمانہ، جس میں سکول کی پڑھائی تھی، اس میں بھی آپ نے بھرپور توجہ دی پھر بعد میں حفظ کا دور تھا، جس میں میری والدہ مرحومہ نے ایسا اہتمام کیا اور اتنی مشقتیں میرے لئے برداشت کیں کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ علی الصبح اذانوں سے پہلے مجھے تیار کرتیں، ناشتہ اور کپڑے وغیرہ دیتیں اور اہتمام سے کسی کے سپرد کر کے دارالحفظ بھیجتیں اور رات دس گیارہ بجے تک میرا بے چینی سے انتظار کرتیں اور سخت سردی اور گرمی میں بھی میرے انتظار میں دروازے کے پیچھے کھڑی ہوتیں تاکہ ایک منٹ بھی مجھے باہر کھڑا نہ ہونا پڑے۔ پھر ہر پارے کے اختتام پر سارے دارالحفظ کے اساتذہ اور درسگاہ کے ساتھیوں کے لئے چائے اور کھانے کا زبردست اہتمام کرتیں۔ تاکہ اس سے میری دلجوئی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے تین ساڑھے تین برس میں میرے ساتھ جو مشقت اٹھائی اس کا بھی عنداللہ انہیں عظیم اجر ملے گا۔ پھر ایک دور میرا کراچی اور مصر کے طالبعلمی کا تھا، دو سالہ فراقت میں آپ نے ٹیلیفون اور خطوط کے ذریعے میری بڑی ڈھارس بندھائی اور بڑی چاہتوں سے طرح طرح کی نعمتیں بھی مجھے وہاں ارسال کرتی رہتیں، چونکہ میں آپ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اسی لئے میرے حصے میں آپ کی شفقتیں اور محبتیں زیادہ آئیں۔ اس طرح دارالعلوم کی پڑھائی میں بھی آپ نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا اور ہروقت دادا جانؒ کے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے نصیحتیں فرماتیں اور جب کبھی میں پڑھائی سے تھک جاتا یا کچھ اور عوامل درمیان میں آتے تو عزم اور ہمت کی تلقین کرتیں اور کہتی کہ اپنے والد اور دادا جانؒ کے مقام کو دیکھو، یہ سب عزت و شہرت علم کی بدولت ہی انہیں نصیب ہوئی۔ پھر جب میں نے حفظ مکمل کیا تو آپ نے گھر میں ایسی تقریب کا اہتمام کیا اور ایسی خوشی کا اظہار کیا کہ گویا میری شادی ہو رہی ہے۔ اسی طرح حامد بھائی اور میری تقاریب دستار بندی بھی تاریخی نوعیت کی ہوئیں اور اس موقع پر بھی ہماری والدہ مرحومہ پھولے نہیں سما رہی تھیں اور میں نے صرف ان مواقع پر اپنی عاجز طبع والدہ مرحومہ کے چہرے اور آنکھوں میں فخر و افتخار کی چمک دیکھی۔ گویا ان کی زندگی کا سب سے بڑا خواب پورا ہو گیا۔ والدہ مرحومہ جو مہر و وفا کا پیکر اور شفقت و محبت کی ایک علامت تھیں، کا ذکر کرتے کرتے میں نے غالباً کچھ زیادہ ہی طوالت کر لی اور غمنامہ حسرت کچھ دراز ہو گیا، لیکن ۳۳، ۳۴ سالہ رفاقت اور شفقت و محبت کی داستان کو سمیٹنے اور اپنے غمزدہ نفسہائے درد کو بہلانے کیلئے مجھے آپ قارئین کا سہارا ہی لینا پڑا۔

غمِ پنہاں کہ بے گفتن عیاں است چو آید بر زباں یک داستاں است

پھر اس کے ساتھ قلم اور دل دونوں نے انکے آثار و مناقب بیان کرنے میں جو صبر و قرار اور تسکین و راحت حاصل کی ہے وہ بھی ایک بڑی متاع ہے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ مرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

ہماری والدہ مرحومہ کی عمر تقریباً ۶۵، ۶۶ برس تھی، آپ کی صحت یوں تو ماشاءاللہ اچھی تھی اگرچہ چھوٹی موٹی بیماریاں آپ کو شروع سے رہیں لیکن اب دو تین سالوں سے کچھ کچھ حافظے میں کمی محسوس ہو رہی تھی۔ کئی ڈاکٹروں سے علاج و معالجہ جاری رہا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بیماری میں اضافہ ہوتا رہا اور آپ کی صحت دھیرے دھیرے کمزور

ہوتی گئی۔لیکن اس دوران ہم نے ہمت نہیں ہاری اور آخر وقت تک پاکستان امریکہ اور انگلینڈ تک کے ماہر معالجوں سے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل کی۔لیکن کہیں سے کوئی کامل مسیحا اور نسخہ کیمیاء ہاتھ نہیں آیا۔ ۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

اور ع کس کو آتی ہے مسیحائی کسے آواز دوں؟

پاکستان کے مختلف ہسپتالوں میں بھی ہم اس امید پر والدہ مرحومہ کو لے جاتے رہے کہ کہیں سے کوئی مسیحا شفائے عاجلہ یا آب دوام میسر ہو سکے لیکن وہی بات کہ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

پھر اس رمضان میں میں اور برادرم مولانا حامد الحق والدہ ماجدہ مرحومہ کیلئے عمرہ ادا کرنے کیلئے حرمین شریفین روانہ ہوئے۔اور اپنے ربّ اور اپنے حبیبؐ کی مسجدوں (حرمین) میں والدہ مرحومہ کیلئے زندگی اور صحت کی دعائیں مانگتے رہے لیکن قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا آپ کی بیماری میں اضافہ ہوتا گیا اور ہم افراتفری میں واپس ہوئے۔عید کے فوراً بعد آپ کو پشاور ہسپتال میں بھی داخل کیا گیا اور پندرہ بیس دن آپ وہاں پر رہیں۔اگر چہ کچھ چھوٹی بیماریوں سے آپ کو افاقہ ہوا اس لئے ڈاکٹروں نے انہیں گھر واپس بھیج دیا۔لیکن اس دوران کمزوری اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی، خوراک تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی اور صرف ادویات، ڈرپس سے کام چل رہا تھا لیکن بخار ڈیڑھ ماہ سے اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔آخری شام بھی جب میں ڈاکٹر کو معمول کے معائنے کیلئے لایا اور انہوں نے بھی ہر ممکن کوشش کی کہ بخار کسی طرح کم ہو جائے پھر رات تک بخار کنٹرول بھی ہو گیا تھا۔رات کے گیارہ بجے ان کے کمرہ میں جب میں دوبارہ حاضر ہوا تو امی جان جاگ رہی تھیں، کچھ دیر ان کے پاؤں دبانے اور معمول کی خدمت کی توفیق حاصل ہوئی لیکن آپ کے چہرے مبارکہ پر اس قدر کمزوری اور نقاہت کے گہرے آثار دیکھ کر بے اختیار میری چیخیں نکل گئیں اور دیر تک انکے پاؤں کے قریب سر جھکا کر روتا رہا۔اگر چہ سب نے سمجھایا بھی کہ حوصلہ کرو معمولی بخار ہے لیکن شاید یہ آخری رات تھی ہماری والدہ مرحومہ کی ہمارے ساتھ اسی لئے سینہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا تھا۔صبر و رضا کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ ۔ رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

پھر کچھ دیر بعد ان کی آنکھ لگ گئی تو میں اپنے کمرے میں مضمحل اور کبیدہ خاطر ہو کر چلا گیا۔صبح ساڑھے پانچ بجے اچانک کسی مخفی قوت نے مجھے جگایا اور فوراً ان کے سرہانے گیا لیکن آپ معمول کے مطابق سو رہی تھیں۔اور آپ کی خادمہ نے مجھے بتایا کہ رات کو آپ سکون سے سوتی رہیں۔میں دوبارہ بستر پر لیٹ گیا، اذانِ فجر میں کافی وقت باقی تھا میں نے کچھ دیر لیٹنا چاہا لیکن نہ جانے نیند کیوں غائب تھی۔اذان فجر کے ساتھ اٹھا اور فوراً ہی نماز پڑھی اور معمول کے مطابق والدہ مرحومہ کے سرہانے سورہ یسٓین اور دیگر وظائف پڑھنے کے لئے گیا جو کہ میرا ہمیشہ سے معمول تھا، تو محسوس ہوا کہ بخار میں شبدت ہے۔فوراً اپنی اہلیہ کو نالجین گولی، آبِ زم زم اور شہد میں ملا کر پلانے کیلئے کہا اور ساتھ میں چائے بنانے

کیلئے بھی اور خود والدہ مرحومہ کے پاؤں دبانے لگا لیکن ان کی طبیعت مجھے اچھی محسوس نہیں ہوئی' گھبرا کر اہلیہ کو بھی آواز دی اور دونوں نے سورہ یٰسین کی تلاوت بیماری اور بخار میں کمی کی خاطر شروع کی لیکن چند لمحوں میں ہی میری کائنات کی سب سے محبوب ترین ہستی اور جنت ... نے پلک جھپکنے میں اس ناکارہ بیٹے کے ہاتھوں میں دم دے دیا۔ اور آپ کی روح قفسِ عنصری سے علی اعلیین کی سمت پرواز کر گئی۔ اور آناً فاناً اک عمر کی بیقراری و بیماری کو قرار آ ہی گیا اور آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۔ یہ ۱۹ جنوری ۲۰۰۴ء بروز پیر بمطابق ۲۶ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ کا مبارک دن اور صبح کے ۰۶:۵۰ کا نورانی وقت تھا اور اشہر حرام اور ایام حج کا مبارک زمانہ بھی تھا۔ یہ سب نیک علامتیں آپ کی خوش بختی پر دال ہیں۔ لیکن مجھے پھر بھی اس قیامت کے برابر حادثے کا اعتبار نہیں آ رہا تھا اور نہ دل مان رہا تھا کہ میری دنیا لُٹ چکی ہے اور میرے سر پر آسمان گرا دیا گیا ہے اور شفقتوں اور رحمتوں کا سائبان ہم سے ہمیشہ کیلئے چھن گیا ہے۔ اس وقت دل میں ایسا درد اٹھا کہ زندگی بھر میں نے ایسا درد نہیں دیکھا' گھبرا کر ڈاکٹر احمد علی آفریدی صاحب (ہمارے گھریلو معالج) کو فون کیا کہ شاید امی جان بے ہوش ہیں' اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے آ کر آپ کی وفات کی تصدیق بھی کردی لیکن دوسری جانب مَیں بے اختیار اپنی والہانہ محبت و عقیدت کی وجہ سے اِن کی زندگی کی ابھی مزید دعائیں مانگ رہا تھا۔ لیکن قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں اور ہم سب کو ایک ایک کرکے اس کے حضور حاضر ہونا ہے' خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دنیا میں بھی مثالی زندگی بسر کرتے ہیں اور بندگی و خدمت کی ایسی مثال قائم کرتے ہیں کہ ان کا جینا بھی نرالا ہوتا ہے اور ان کا مرنا بھی مثالی۔ جب اس عظیم خاتون کا جنازہ اٹھا تو پورے گاؤں اور علاقہ بھر کی خواتین کے جذبات قابل دیدنی تھے۔ دادا بزرگوار شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے جنازے کے بعد آپ کا سب سے بڑا جنازہ تھا' جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ بڑے بڑے علماء' مشائخ نیک بندگان خدا' طالب علم' اور صلحاء نے ملک بھر سے شرکت کی جو آپ کی بخشش اور سعادت کی واضح دلیل ہے۔ ان کے علاوہ گورنر' وزیر اعلیٰ سرحد' وزراء' اراکین قومی وصوبائی اسمبلی اور اراکین سینٹ نے بھی خصوصی طور پر شرکت کی ان کے علاوہ ملک بھر کے سیاسی رہنما' مرکزی اور صوبائی حکومت کے وزراء اور اعلیٰ سول فوجی عہدیداروں نے بھی شرکت کی۔ پھر اسی شام کو ایوانِ بالا سینٹ آف پاکستان میں مرحومہ کی وفات پر قرار داد تعزیت بھی پاس ہوئی اور ایوان میں دعائے مغفرت بھی کی گئی۔ نماز جنازہ بوقت عصر پونے پانچ بجے حضرت والد صاحب مدظلہ نے پڑھائی۔ برادرم مولانا حامد الحق ایک کانفرنس میں شرکت کیلئے انڈیا گئے ہوئے تھے' آپ کو صبح ہی اطلاع دی جا چکی تھی اور آپکی یہ خواہش تھی کہ تدفین کیلئے میرا انتظار کیا جائے چنانچہ آپ بڑی مشکلات سے براستہ کراچی اسلام آباد پہنچے گو کہ نماز جنازہ میں آپ شرکت نہ کرسکے لیکن آپکے انتظار میں تابوت کو دارالعلوم کے قبرستان میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس دوران ممتاز علمی و روحانی مشائخ اور شخصیات اپنی پراثر مواعظ اور ارشادات سے حاضرین کو مستفید کرتے رہے' دو گھنٹے کے انتظار کے بعد رات سات بجے برادرم

مولانا حامد الحق حقانی بھی پہونچ گئے اور اپنی ماں کا آخری دیدار بھی انہیں نصیب ہو ہی گیا۔

ع بجنازہ گرنہ آئی بمزار خواہی آمد

اپنی مرحومہ دادی جان کے پہلو میں اور عظیم جدِ امجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے سرہانے آپ کی قبر تیار تھی۔ ہم دونوں بھائیوں نے اپنی جان سے پیاری ماں کا تابوت ایک بڑے کرب سے لحد میں اتارا اور یہ کہا کہ

تو عزم سفر کردی ورفتی زبر ما بستی کمر خویش شکستی کمرِ ما

اور اپنی جنت اور کائنات کو اس امید پہ خاکِ لحد کے سپرد کیا کہ کچھ ہی دیر بعد ارواح مقدسہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ ہماری دادی جانؒ اور بہشتی فرشتے اس قبرستان کے نئے مکین کو ان آیات کے ذریعے بشارت دیتے ہوئے استقبال کیلئے انہیں جنت میں لے جانے کیلئے آنے والے ہی ہوں گے۔ یآ ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

مثلِ ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا ! نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا !
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اظہار تشکر بنام تعزیت کنندگانِ محترم

میری اہلیہ مرحومہ کے سانحہ وفات کے موقع پر جو حضرات جنازہ میں شرکت وتعزیت کے لئے تشریف لائے اور اس کے علاوہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب وختمات قرآن کی محافل منعقد کیں اس سے نہ صرف مجھے بلکہ میرے پورے غمزدہ خاندان کو صبر اور حوصلہ ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ موت برحق ہے' دنیا فانی ہے۔ ہم سب نے عالمِ جاودانی میں جانا ہے جو اصل زندگی ہے وان الدار الاخرة لھی الحیوان میں اور مرحومہ کی اولاد برخوردار مولانا حامد الحق حقانی ایم این اے' مولانا راشد الحق حقانی سمیت پورا خاندان آپ کے تعزیتی ٹیلیگرامز' خطوط' ٹیلیفونز اور خود زحمت کر کے یہاں قدم رنجہ فرمانے پر دل و جان سے شکر گزار ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کی محبت اور خلوص کے صدقے مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں بہترین مقاماتِ قرب و رضا پر فائز فرمادے۔ (امین) مرضی مولیٰ پر بجز صبر وشکر کے چارہ نہیں۔ آپ حضرات کی عافیت وسرخروئی دارین کے لئے ہم سب دست بدعا ہیں۔

والسلام

(مولانا) سمیع الحق سینیٹر

مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک